مسلمانوں کے لیے مشن

"---اب تک اُن کے دروازے بائبل کے لیے بند ہیں"۔

مغربی دنیا کی تبشیری سرگرمیوں میں گزشتہ چند برسوں سے یہ تبدیلی محسوس کی جا رہی ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں مغرب نژاد تنظیموں کی جگہ لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیا سے تعلق رکھنے والے مبشرین لے رہے ہیں۔ تبشیری تنظیموں کے لیے مالیاتی اعتبار سے یہ صورتِ حال بہتر ہے۔ غریب ممالک سے تعلق رکھنے والے مبشّرین کی تنخواہیں اور مراعات تیسری دنیا کے معیارِ زندگی کے مطابق میں جو مغرب نژاد مبشّرین کی تنخواہوں پر خرچ ہونے والی رقم کا محض معمولی سا حصّہ بنتی ہیں۔ یہ لوگ خود تیسری دنیا کی تہذیب و ثقافت کا حصّہ ہیں، اس لیے یہ غیر مسیحی آبادی میں باسانی گھل مل جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان خصائص پر مستزاد تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے یہ مبشّرین اپنے پیش روؤں کی نسبت زیادہ پُرجوش اور محنتی ہیں۔

مذکورہ بالاصورتِ حال کی عکاسی ۱۹۹۳ء کے اواخر میں اربانا (الونائے - ریاست ہائے متحدہ امریکہ) میں منعقد "انٹرورسٹی کرسچن فیلوشپ "مشنوں کی کانفرنس سے ہوتی ہے۔ یہ کانفرنس ہر تین سال بعد منعقد ہوتی ہے۔ ۱۹۹۳ء کی کانفرنس میں ۱۷ ہزار افراد شریک ہوئے۔ حاضرین کی یہ تعداد ۱۹۸۱ء سے اب تک کی کانفرنسوں میں سب سے کم ہے۔ گزشتہ کانفرنس میں اڑھائی ہزار زیادہ حاضرین تھے۔ حالیہ کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے شرکاء میں ۴۰ فیصد کا تعلق امریکہ کی نسلی اقلیتوں سے تھا، اور ۲۵ فیصد ایشیائی - امریکی تھے۔ شرکاء میں سے ہر دسواں شخص کورین، امریکی تھا۔ کانفرنس کے شرکاء میں سے نصف سے زیادہ نے تبشیری کاموں میں حصّہ لینے کا وعدہ کیا ہے۔ ایک کوریا نژاد خاتون "کم" نے ۱۹۶۸ء کی کانفرنس میں پہلی بار شرکت کی تھی اور وہ "واحد" کورین تھیں، آج کورین شرکت ۱۷۰۰ تھی۔

اربانا میں مسلم دنیا میں تبشیری سرگرمیاں بھی زیرِ بحث آئیں۔ کورین شرکاء میں سے ایک یاماموری نے کہا کہ "جن لوگوں تک رسائی نہیں ہو سکی، ان کی بڑی تعداد مسلمانوں کے زیرِ اثر ہے۔ مسلمانوں کے دروازے اب تک بائبل کے لیے بند ہیں"۔

ایریزونا میں قائم ایک تنظیم "فرنٹیرز" (Frontiers) جو صرف مسلمانوں میں تبشیری کام کرتی ہے، نے کانفرنس میں انوکھے انداز میں شرکت کی۔ اس تنظیم سے وابستہ دو مبشّر اسٹیج پر آئے۔ جو عرب لباس پہنے ہوئے تھے اور عربوں کے لہجے میں انگریزی بول رہے تھے۔ انہوں نے

مسیحیت پر کلامی اور اخلاقی حوالوں سے متعدّد اعتراضات دہرائے جو ان کے نقطہ نظر میں مشرقِ وسطیٰ میں بالعموم کیے جاتے ہیں۔ "کرسچنٹی ٹوڈے" کے کالم نگار کے الفاظ میں جب حاضرین ان اعتراضات پر پہلو بدلنے لگے تو بہروپ بھرنے والے مبشرّین نے اپنا تعارف کرایا۔

"فرنیٹیئرز" کے سربراہ رچرڈ-ڈی- لو کا کہنا ہے کہ "مسلمان مسیحیت کے پیغام میں اتنے مزاحم نہیں ہیں، جتنا کہ انہیں نظر انداز کیا گیا ہے۔ مسلم دنیا کے بہت سے علاقوں میں فصل تیار ہے، مسیحیت کے لیے ان علاقوں تک رسائی کبھی اتنی آسان نہیں تھی [جتنی اب ہے]"

"مبشرّین طالب علموں کی بین الاقوامی انجمن" [International Fellowship of Evangelical students] کے جنرل سیکرٹری نے کہا کہ "اب ضروری نہیں ہے کہ طلبہ و طالبات مسلمانوں کو مسیحیت کی دعوت دینے کے لیے دور دراز کے سفر کریں۔ ۲۷ ہزار غیر ملکی مسلمان امریکی یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم ہیں"۔

افریقہ میں اشاعتِ اسلام اور مسیحی مبشرّین

[۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخری برسوں اور اگلے عشرے کے نصف اوّل تک مغربی ذرائع ابلاغ کی توجّہ بالخصوص مسلم دنیا میں یکے بعد دیگرے آنے والی تبدیلیوں پر مرکوز رہی۔ وطنِ عزیز میں ضیاء الحق مرحوم کی فوجی حکومت نے نفاذِ اسلام کے لیے جزوی اقدامات کا آغاز کیا۔ ایران میں "مضبوط بادشاہت" رخصت ہوئی۔ "پس ماندہ" افغانستان کے عوام نے ایک "سُپر پاور" کا تغلّب قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مشرقِ وسطیٰ کے بعض عرب ممالک میں لبرل اور سیکولر حکمرانوں کے خلاف ناراضگی کا اظہار ہونے لگا۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے اس صورت حال کو "جنگ جُو اسلام" اور "بنیاد پرستی" کا احیاء قرار دیا۔ ناقص مطالعۂ اسلام، غیر مصدقہ اطلاعات اور مسلم دنیا کو تعصّب کی نظر سے دیکھنے کے نتیجے میں صحافی اپنے مغربی قارئین کو خوف میں مبتلا کرنے اور احیائے اسلام کے عمل سے نفرت سکھانے کے علاوہ کچھ نہ دے سکے۔ مغربی جامعات اور ان سے وابستہ مطابع نے چند برسوں میں متعدد کتابیں شائع کر دیں جن میں متقدمین اسلام کی کتابوں کے تراجم، اسلام کے سیاسی، معاشی اور سماجی پہلوؤں پر خصوصی مطالعے اور معاصر احیاء پسندوں کی تحریروں کے انتخابات شامل ہیں۔ تعلیمی دنیا میں مسلمان احیاء پسندوں کی ذات اور افکار پر مقالات لکھے گئے جو مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ دوسرے ممالک میں بھی لبرلزم اور سیکولرزم کے خلاف "مذہبی قومیت پرستی" کی فضا موجود ہے۔ بدھ مت، ہندومت اور مسیحیت کے احیاء کا عمل بھی جاری ہے۔ تاہم تہذیبوں اور مذاہب کے تصادم کی باتوں